ACADEMIA International Journal for Social Sciences
Volume 5, Issue 3(s10), 2026 ISSN-L (Online): 3006-6638

Criticism of Urdu Short Story and the Critical Paradigms of Dr. Nasir Abbas Nayyar

اردو افسانے کی تنقیداور ڈاکٹر ناصر عباس نیرکے تنقیدی پیراڈائم

Hafiz Sajid Iaqbal
hafiz.sajid.iqbal16@gmail.com
Ph.D. Urdu Scholar, NCBA & E, Multan Campus

Dr. Mansoor Qureshi
Professor of Urdu, NCBA & E, Multan Campus

Corresponding Author: Hafiz Sajid Iaqbal

Received: 12-02-2026 **Revised:** 26-02-2026 **Accepted**: 13-03-2026 **Published:** 28-03-2026

ABSTRACT

"Dr. Nasir Abbas Nayyar is a prominent 21st_century theorist, critic, and a distinguished figure inUrdu short story criticism. Moving away from traditional impressionistic rhetoric, superficial thematic summaries, and biographical recaps of the past, he established Urdu short story criticism on modern theoretical paradigms of Structuralism, Post-structuralism, and Post-colonialism. He liberated the short story from the dominance of poetic poetics, anchoring it instead in the scientific principles of an 'Autonomous Poetics of Prose' and 'Narrative Discourse.' By applying the theoretical distinction between 'Story and Discourse,' highlighting the subtle workings of ideology within texts, recovering locality, and offering post-structuralist and deconstructive readings of contemporary works (particularly Premchand's short story "Kafan" and the fiction of Nayyar Masood), Nasir Abbas Nayyar gave a fresh dimension to Urdu short story criticism. In doing so, he elevated the interpretation of Urdu fiction to an enduring and autonomous academic status on the global and theoretical horizons."

Keywords: *Dr. Nasir Abbas Nayyar, Urdu Fiction Criticism, Narrative Paradigm, Story and Discourse, Textual Ideology, Postcolonial Discourse.*

اکیسویں صدی کے آغاز پر اردو فکشن بالخصوص مختصر افسانے کی تنقیدی روایت کے تحقیقی وتنقیدی ارتقاء میں ڈاکٹر ناصر عباس نیر کی تنقید اور نظریاتی پیش رفت نے معاصر اردو فکشن کی تفہیم میں ایک نئے اور انقلابی عہد کا سنگِ بنیاد رکھا ہے۔ ماضی میں اردو افسانے کو پرکھنے کا بڑا المیہ یہ تھا کہ ہمارے اکثر مکتبی اور روایتی نقاد افسانے کی پیمائش کے لیے یا تو غزل کی بوطیقا سے لیے گئے پرانے جمالیاتی اصول لاگو کرتے تھے، یا پھر کہانی کو محض ایک سیاسی و سماجی دستاویز، اخلاقی وعظ، یا افسانہ نگار کی نجی زندگی کا سوانحی ریکارڈ ثابت کرنے پرتلے رہتے تھے ۔ اس سطحی اور تاثراتی رویے نے اردو فکشن کو اس کی اصلی پہچان اور متنی تعبیر سے محروم رکھا۔ بایں ہمہ، اکیسویں صدی کے آغاز پر ڈاکٹر ناصر عباس نیر نے اپنی تصانیف 'افسانوی تنقید میں نئے پیراڈایم کی جستجو'، 'اردو ادب کی تشکیل جدید'، اور 'لسانیات اور تنقید' کے ذریعے اردو تنقید کو یہ پختہ نظریاتی شعور عطا کیا کہ فکشن محض خارجی واقعات کی سپاٹ عکاسی کا نام نہیں ہے، بلکہ وہ ایک لسانی و ثقافتی ساخت(Linguistic & Cultural Structure) ہے جس کی معنویت تک رسائی جدیدبیانیوں کی براہ راست قرات کے بغیر ممکن نہیں ہو سکتی۔

ڈاکٹر ناصر عباس نیر کی افسانوی تنقید کے بنیادی اور بیانیاتی ساخت کو سمجھنے کے لیے والٹر فشر کےنظریے "بیانیہ پیراڈائم (Narrative Paradigm) "سے متعلق ان کی پیش کردہ فلسفیانہ اور سائنسی تعبیرکوسمجھنا ہوگا، جس کے تحت انہوں نے روایتی اکہری کہانی کو ایک ڈسکورس میں تبدیل کر دیا ہے۔ ناصر عباس نیر کا استدلال یہ ہے کہ انسان محض ایک عقلی یا منطقی وجود نہیں ہے، بلکہ وہ اپنی اصل بنیاد میں ایک "بیانیہ وجود (Narrative Being) "ہے، جو کائنات، سماج اور اپنے تجربات کی تفہیم سائنسی یا عقل محض کے خشک دلائل کے بجائے کہانی اور بیانیے کی لچکدار منطق کے ذریعے کرتا ہے۔ اسی نظریاتی بنیاد پر وہ افسانوی متن کو دو بنیادی اور واضح حصوں یعنی 'کہانی (Story) 'اور 'ڈسکورس (Discourse) ' میں تقسیم کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک 'کہانی' واقعات کی وہ سادہ اور زماں و مکاں کی ترتیب میں وقوع پذیر ہونے والی زنجیر ہے جسے ای ایم فورسٹر جیسے روایتی نقاد لازم و ملزوم سمجھتے تھے؛ مگر 'ڈسکورس' وہ عملی بیانیہ ، راوی کی پوزیشن

(Point of View)، زبان کا اقتدار اورعلمی حکمتِ عملی ہے جو کہانی کو معنویت، آئیڈیالوجی اور تہذیبی توانائیاں عطا کرتی ہے ۔ اسی بیانیاتی پیراڈایم، کہانی اور ڈسکورس کی سائنسی تفریق پرڈاکٹر ناصر عباس نیر رقم طراز ہیں:

"اب افسانوی تنقید، جسے بیانیات کا نام ملا ہے، اپنا مدار ایک معنویت پر رکھتی ہے۔ وہ افسانے اور دیگر ہر طرح کے بیانیے کو 'سٹوری' اور 'ڈسکورس' میں تقسیم کرتی ہے اور ہر قسم کے افسانوی مطالعات اس معنویت کی بنیاد پر کرتی ہے۔ سادہ طور پر، کہانی افسانے یا بیانیے کا سلسلہ واقعات ہے اور ڈسکورس وہ سارا بیانیاتی عمل ہے جو کہانی سمیت پورے بیانیے کو محیط ہے۔ کہانی اگر افسانے کا واقعاتی جزوِ روم ہے تو ڈسکورس اس کو ممکن بنانے والی لسانی قوت سمیت اور حکمت عملی ہے۔۔۔ والٹر فشر اسے Narrative Paradigm قرار دیتے ہیں۔ یعنی کہانی اب سادہ واقعاتی سلسلہ نہیں، سماجی حقیقت تک رسائی حاصل کرنے، اس کے ضمن میں فیصلے کرنے اور ردِ عمل ظاہر کرنے کا ایک ایسا پیراڈائیم ہے جو منطقی پیراڈائیم سے مختلف ہے۔"(1)

ناصر عباس نیر کے تنقیدی طریقِ کار میں مابعد نوآبادیاتی ڈسکورس سے یہ سچائی آشکار ہوتی ہے کہ انہوں نے مشل فوکو اور ایڈورڈ سعید کے افکار کا اطلاق کر کے نوآبادیاتی دور کے مسلط کردہ آفاقی معیاروں کی ردِ تشکیل پیش کی ہے ۔ انہوں نے یہ ثابت کیا ہے کہ کس طرح انگریزی استعمار نے اپنے سیاسی اور ثقافتی غلبہ کو قائم رکھنے کے لیے ایک ایسا نوآبادیاتی علم اور ڈسکورس گھڑا جس نے ہماری مقامیت، داستانی روایتوں اور تہذیب کو حاشیے پر دھکیل دیا تھا۔ ناصر عباس نیر کی افسانوی تنقید کا ایک بڑا تاریخی کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے 'اردو ادب کی تشکیل جدید' کے تحت نوآبادیاتی ذہنیت کو چیلنج کیا اور اردو افسانے کو مٹی کے دیسی رچاؤ، مقامی حسیات، اور حاشیے کے بیانیوں کی معتبر ترین زبان ثابت کیا ۔ ان کے یہ تنقیدی افق افسانے کو محض مغرب کی نقل ماننے کے بجائے اسے اپنے تمدنی و تاریخی سیاق میں پرکھنے کا راستہ فراہم کرتا ہے، جہاں قاری اور نقاد براہ راست متن کی حقیقت جاننےاورپرکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

ناصر عباس نیر کی پیش کردہ متنی اطلاقی قرات نے کلاسیکی اور معاصر افسانوں کے اندر چھپی ہوئی آئیڈیالوجی اور التوائے معنی (Difference) کو بھی بے نقاب کیا ہے ۔ مثلاً منشی پریم چند کے افسانے "کفن" کی ناصر عباس نیر نے جو پس ساختیاتی اور آئیڈیولوجیکل قرات پیش کی ہے، اس نے روایتی ترقی پسندانہ تعبیرات کی غلطیوں کو نشان زد کرتے ہوئے راوی کی غیر محسوس مداخلت، سادھوؤں کے مقابلے میں کسانوں کی ترجیح اور سماجی طبقات کی خامیوں کو اجاگر کیا ہے ۔ اسی طرح انہوں نے نیر مسعود کے پراسرار افسانوں کی بیانیاتی قرات کرتے ہوئے یہ ثابت کیا ہے کہ نیر مسعود کا متکلم راوی اپنے باطن کو باہر کی دنیا میں تبدیل کر کے ایک منفرد بیانیہ قائم کرتا ہے جو روایتی علامتی فکشن سے مختلف اور منفرد ہے۔

ڈاکٹر ناصر عباس نیر کی افسانوی تنقید نے اردو افسانے کی پرکھ کو روایتی تاثراتی بیانات اور خلاصہ نگاری کے پرانے سانچوں سے نجات دلائی ہے ۔ ڈاکٹر ناصر عباس نیر نے فرانسیسی اور اینگلو امریکن بیانیاتی علوم اور والٹر فشر کے "بیانیہ پیراڈائم"سے استناد کرتے ہوئے یہ جدید سائنسی اصول قائم کیا ہے کہ انسان محض ایک منطقی یا عقلی وجودنہیں ہے، بلکہ وہ اپنی کائناتی و تہذیبی بنیاد میں ایک "بیانیہ وجود"ہے، جو کائنات، سماج اور اپنے باطنی تجربات کی تفہیم سائنسی یا عقلی دلائل کے بجائے کہانی اور بیانیے کی لچکدار منطق کے ذریعے کرتا ہے۔ اسی نظریاتی اساس پر انہوں نے افسانوی متن کا تجزیہ کرنے کے لیے 'کہانی (Story) 'اور 'ڈسکورس (Discourse) 'میں بنیادی فرق پیش کیا ہے۔ ان کے نزدیک 'کہانی' واقعات کا وہ زماں و مکاں کی ترتیب میں وقوع پذیر ہونے والا سادہ سلسلۂ واقعات ہے جسے روایتی نقاد علت و معلول کی زنجیر مانتے تھے؛ مگر 'ڈسکورس' وہ تمام بیانیاتی عمل، راوی کی حکمتِ عملی، اور لسانی قوت ہے جو واقعاتی مواد کو ممکن بناتی ہے اور اس کے معنی و مفہوم میں بھی نیاپن پیداکرتی ہے۔

ناصر عباس نیر نے متن کے اندر راوی کے تکنیکی اور اقداری اختیارات کو بے نقاب کیا ہے۔ انہوں نے یہ قاعدہ وضع کیا کہ ڈسکورس کی ساخت میں راوی محض کوئی غیر شخصی واسطہ یا بیرونی تماشائی نہیں ہوتا، بلکہ وہ افسانے کے معنیاتی اور اقداری نظام کو کنٹرول کرنے کا سب سے بڑا بیانیاتی حربہ ہوتا ہے ۔ ناصر عباس نیر نے واحد غائب راوی اور واحد متکلم راوی کا فرق واضح کرتے ہوئے بتایا کہ سماجی نوعیت کے بیانیوں میں واحد غائب کا نقطۂ نظر اگرچہ معروضی اور غیر جانبدار رہنے کے لیے موزوں ترین تسلیم کیا گیا ہےلیکن اسے کے باوجود راوی اکثر افسانوی عمل کے دوران غیر جانبدار رہنے کے بجائے متن میں مداخلت کرتا ہے اور کرداروں کی تشریح میں اپنے مخصوص اقداری اور طبقاتی فیصلے صادر کر کے قاری کے ذہن کو اپنی مرضی سے چلانے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کے برعکس واحد متکلم راوی (میں) بیانیے کو شخصی استنادتو فراہم کرتا ہے، مگر وہ اپنی ذات کی حد بندیوں کے باعث دوسرے کرداروں سے دوررہتا ہے۔ راوی کی پوزیشن اور ڈسکورس کے اس باہمی تعلق کو بیان کرتے ہوئے ناصر عباس نیر لکھتے ہیں:

"ڈسکورس افسانے کا فقط اسلوب نہیں، افسانے کے راوی اور بیان کنندے کی پیش کی گئی زندگی کی تعبیر ہے۔۔۔ افسانے میں آئیڈیالوجی کی کارفرمائی جانچنے کا ایک پیمانہ یہ ہے کہ اس میں راوی یا بیان کنندہ، افسانوی عمل میں کتنا دخل انداز ہوتا ہے۔ وہ کسی کردار کے اوصاف کی وضاحت اور کسی واقعے کی تعبیر میں کتنا حصہ لیتا ہے۔ اگر یہ حصہ افسانے میں اس کے متعین کردار سے زیادہ ہو اور یہ قاری کو افسانے کے خاص مفہوم کی طرف ہانکنے کے مترادف ہو تو وہاں آئیڈیالوجی کارفرما ہے۔"(2)

افسانے کے متن کی اس آئیڈیالوجی میں ناصر عباس نیر کی پیش کردہ پس ساختیاتی اور ردِ تشکیلی قرات کا سب سے بڑا نمونہ منشی پریم چند کے لازوال افسانے "کفن" کے تجزیے میں سامنے آتا ہے ۔ ناصر عباس نیر نے یہ دکھایا ہے کہ کس طرح روایتی اور ترقی پسند ناقدین نے "کفن" کو محض سماجی غربت اور طبقاتی استحصال کی کہانی سمجھ کر پڑھا، جبکہ اس کا ڈسکورس اور راوی کا برتاؤ ایک بالکل مختلف آئیڈیولوجیکل کہانی سناتا ہے۔ انہوں نے نشان زد کیا کہ "کفن" اگرچہ واحد غائب کے ہمہ داں نقطۂ نظر میں لکھا گیا ہے جسے غیر جانبدار ہونا چاہیے تھا، مگر راوی مادھو اور گھیسو کے کرداروں کا تجزیہ کرتے ہوئے خود غیر جانبدار نہیں رہ پاتا بلکہ افسانوی عمل کو کنٹرول کرتا ہے ۔ راوی جب پہلا لفظ استعمال کرتا ہے کہ "کاش دونوں سادھو ہوتے" تو وہ سادھوؤں کو ایک ترجیحی مقام دیتا ہے، اور جب وہ گھیسو کے بارے میں کہتا ہے کہ وہ "کسانوں کی تہی دماغ جمعیت میں شامل ہونے کے بدلے شاطروں کی جماعت میں شامل ہو گیا تھا"، تو راوی نہ صرف دو طبقات کا بیانیہ پیش کرتا ہے بلکہ 'تہی دماغ' اور 'فتنہ پرداز' جیسے تحقیر آمیز الفاظ کا استعمال کر کے قاری کو متن سے باہر کی ایک مخصوص آئیڈیالوجی ماننے کی ترغیب دیتا ہے۔ اس اطلاقی قرات پر ناصر عباس نیرلکھتے ہیں:

"کفن ہمہ بین واحد غائب کے نقطہ نظر میں لکھا گیا افسانہ ہے۔ اصولی طور پر یہ نقطہ نظر اس بیانیے کے لیے موزوں ترین ہے، جس میں راوی خود کو غیر جانبدار رکھنا چاہتا اور افسانوی عمل کو یہ آزادی دینا چاہتا ہے کہ وہ خود اپنی منطق کے تحت جاری رہے... مگر اس کا کیا کیا جائے کہ بیانیے میں راوی کئی مقامات پر خود کو غیر جانبدار نہیں رکھ پاتا، مداخلت کرتا اور افسانوی عمل کو کنٹرول کرنے کی کوشش کرتا ہے، جو ایک دوسرے انداز میں آئیڈیالوجی کو افسانے پر مسلط کرنے کی کوشش ہے۔ مثلاً مادھو اور گھیسو کے کرداروں کی وضاحت میں راوی کا یہ بیان اور خاص طور پر اس کا پہلا لفظ : 'کاش دونوں سادھو ہوتے تو انھیں قناعت اور توکل کے لیے ضبطِ نفس کی مطلق ضرورت نہ ہوتی'... نیز وہ سادھوؤں کو ایک ترجیحی مقام دیتا ہے۔ اسی طرح مادھو اور گھیسو کی ذہنیت کے تجزیے میں راوی کا یہ کہنا بھی افسانوی عمل میں مداخلت ہے: 'ہم تو کہیں گے کہ گھیسو کسانوں کے مقابلے میں زیادہ باریک بین تھا اور کسانوں کی تہی دماغ جمعیت میں شامل ہونے کے بدلے شاطروں کی فتنہ پرداز جماعت میں شامل ہو گیا تھا'... اس لیے کہ بیان کنندہ نہ صرف دو طبقات کا ترجیحی، اقداری بیانیہ پیش کرتا ہے بلکہ طبقات کے لیے جن صفات (تہی دماغ، فتنہ پرداز شاطر) کا استعمال کرتا ہے، وہ بھی غیر جانبدارانہ نہیں، اقداری ہیں۔"(3)

ڈاکٹر ناصر عباس نیر نے فرانسیسی مفکر مشل فوکو اور ایڈورڈ سعید کے "علم اور طاقت"کے باہمی استحصالی رشتوں کا اردو فکشن پر اطلاق کر کے یہ سائنسی حقیقت بے نقاب کی کہ نوآبادیاتی دور میں انگریزی استعمار نے اپنے سیاسی غلبے کو مستحکم رکھنے کے لیے جس علم اور کلامیے کو ترتیب دیا، اس کا بنیادی مقصد ہماری مقامی بوطیقا، تہذیبی اقدار اور تاریخی حافظے کو ثانوی اور کمتر ثابت کرنا تھا ۔ انہوں نے اپنی تصنیف" اردو ادب کی تشکیل جدید" میں یہ ثابت کیا کہ کس طرح نوآبادیاتی دور کی اصلاحی تحریکوں نے مغرب کے مسلط کردہ جمالیاتی معیارات کو خاموشی سے قبول کر کے ہماری مقامی داستانوی روایت، تمثیل اور مقامی ثقافت کو حاشیے پر دھکیل دیا تھاناصر عباس نیر کی تنقید نے اس نوآبادیاتی کلامیے کی ردِ تشکیل پیش کرتے ہوئے یہ واضح کیا کہ ادب کا کوئی بھی متن آفاقی یا لازمی اصولوں کا محتاج نہیں ہوتا، بلکہ وہ اپنے مخصوص سیاسی، تاریخی اور تہذیبی سیاق و سباق کا پروردہ ہوتا ہےلہٰذا مغرب کے وضع کردہ تنقیدی اصولوں کو جوں کا توں مشرقی متون پر مسلط کرنا علمی و ثقافتی بددیانتی کے مترادف ہے ۔ ناصر عباس نیر کی اسی مابعد نوآبادیاتی فکر اور متنی و ثقافتی سیاق کے بارے میں ارشد محمود ہادیؔ لکھتے ہیں:

"ڈاکٹر ناصر عباس نیر نے مابعد جدید مباحث کو اردو تنقید میں متعارف کرایا۔ انہوں نے جدید اور مابعد جدید تنقید کے تصورات کو مربوط انداز میں پیش کیا ہے۔ اس کے علاوہ اردو ادب میں تشکیل جدید پر کتاب لکھی جو نو آبادیات اور مابعد نو آبادیاتی تناظرات میں ایک اہم کتاب ہے جس سے مابعد جدید تھیوری کا کینوس اردو میں وسیع ہوا... ناصر عباس نیر کے نزدیک متن محض الفاظ کا مجموعہ نہیں بلکہ ایک کثیر الجہات، غیر مرکزیت پذیر اور سماجی و ثقافتی تشکیل یافتہ مظہر ہے، جو ہر تعبیر کے ساتھ نئے معانی کی تشکیل کرتا ہے۔"(4)

مابعد نوآبادیاتی تنقید میں ڈاکٹرناصر عباس نیر نے یہ موقف اختیار کیا کہ استعماری جبر کی ردِ تشکیل کا سب سے معتبر راستہ یہ ہے کہ ہم اپنے مٹتے ہوئے تہذیبی وجود کو بچانے کے لیے اپنی مٹی کی جڑوں، لوک اساطیر، اور عہدِ وسطیٰ کی صوفیانہ و مقامی شعریات (مثلاً کبیر، نانک، بابا فرید اور بلھے شاہ) کے کلامیاتی سرمائے کی طرف رجوع کریں۔ ان بیانیوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اکیسویں صدی کے اردو افسانے میں انتظار حسین، سریندر پرکاش، سلام بن رزاق، اور سید محمد اشرف جیسے افسانہ نگاراپنی مقامی مٹی کے استعاروں، داستانوں اور دیسی سنسکاروں کا استعمال کرتے ہیں، تو متن نوآبادیاتی غلامی سے آزاد ہو کرنچلے طبقوں اور حاشیائی کرداروں کی آواز بن جاتا ہے ۔ اس طرح یہ مقامیت مابعد جدید اور مابعد نوآبادیاتی تنقید کا وہ لازمی جزو بن جاتی ہے جو اردو نثر کو اس کی اپنی تہذیبی وثقافت کے ساتھ عالمی ادب کے مقابل لاکھڑاکرتا ہے ۔

ڈاکٹر ناصر عباس نیرکی مابعد نوآبادیاتی اور ساختیاتی متنی قرات کے پیش نظر نیر مسعود کے افسانوی متن تجزیاتی تعبیر ان کی تنقیدی صلاحیتوں کا شاندار نمونہ بن کر ابھرتی ہے ۔ عام طور پر ہمارے نقاد نیر مسعود کے افسانوں "سیمیا"، "عطر کافور"، "شیشہ گھاٹ"، اور "پاک ناموں والا پتھر"وغیرہ کو محض کافکا کی تقلیدیا تجریدیت وغیرہ قرار دے کر ان کی معنوی وسعتوں سے ناانصافی کرتے تھے ؛ مگر ناصر عباس نیر نے نیر مسعود کے فکشن کا عمیق تجزیہ کر کے یہ ثابت کیا کہ نیر مسعود کا متکلم راوی (میں) کس طرح تکنیکی اور استعاراتی سطح پر کام کرتا ہے۔ ناصر عباس نیر نے نشان زد کیا کہ

نیر مسعود اپنے واحد متکلم راوی کو کہانی کا مرکزی کردار بنانے کے باوجود اسے اپنے باطن کے احوال و مقامات کا براہ راست اظہار کرنے سے روکتے ہیں اور ان کے کردار اپنے باطن کا اظہار اپنی ذات کی بجائے بیرونی واقعات اور بیانیے کی صورت میں کرتے ہیں۔ اس تناظر میں نیر مسعود کا متن روایتی علامتی افسانے سے الگ ایک نیا"علامتی بیانیہ"قائم کرتا ہے جہاں خارج کے تمام واقعات کردار کی باطنی اور وجودی دنیا کا تمثیلی منظر نامہ بن جاتے ہیں۔ نیر مسعود کے اس عمل اور راوی کی تکنیک پر ناصر عباس نیر رقم طراز ہیں:

" نیر مسعود 'میں' کو اپنی کہانی کہنے کا موقع فراہم کرنے کے باوجود، اسے ان مواقع سے دور رکھتے ہیں جہاں وہ اپنے باطن کے حال و مقام کا راست ذکر چھیڑ سکے۔ ان کے کردار حال و مقام سے گزرتے ہیں، مگر اپنی زبانی اس کا اظہار نہیں کرتے۔ مسعود کی جادوئی تکنیک ہی ہے کہ ذات کی معنویت کی تلاش کے لیے واقعاتی دنیا کا دلچسپ و حیرت خیز بیانیہ وضع کرتے ہیں۔ گویا وہ اپنے باطن کا اظہار اپنے اور وقوعے کی صورت میں کرتے ہیں، اس سے مسعود کا افسانوی عمل ایک خاص بیانیہ رمزیت کا حامل ہو جاتا ہے جو شاعری کے استعاراتی رمزیت سے مختلف ہے۔ ان کے کرداروں کے اعمال اور انھیں پیش آنے والے واقعات، ان کرداروں کی باطنی دنیا کی تمثیل بن جاتے ہیں۔"(5)

ان تمام مابعد نوآبادیاتی، دیسی اور اطلاقی مباحث کے پیش نظر ڈاکٹر ناصر عباس نیر کی افسانوی تنقید نے اردو فکشن کو ایک ایسا خود مختار، بالغ اور علمی تشخص عطا کیا ہے جو استعماری بیانیوں کی ردِ تشکیل کرتے ہوئے ہماری اپنی مٹی کی مقامیت کو مستحکم کرتا ہے ۔ انہوں نے 'مابعد نوآبادیاتی ڈسکورس'، 'مقامیت ' اور 'متنی بیانیے کے ذریعے یہ ثابت کر دیا کہ اردو افسانہ محض مغرب کے فارمولا نظریات کی اندھی تقلید کا نام نہیں ہے، بلکہ وہ اپنے اندرونی قوانین، راویاتی نقطۂ نظر اور مقامی تہذیبی طاقت کی بدولت دنیا کی کسی بھی عظیم افسانوی روایت کے ساتھ شانہ بشانہ کھڑا ہونے کی کامل صلاحیت رکھتا ہے ۔ متنی سیاق، تناظر اور معنیاتی تعبیرات کی تشریح پیش کرتے ہوئے ارشد محمود ہادیؔ لکھتے ہیں:

"ناصر عباس نیر کے نزدیک متن محض الفاظ کا مجموعہ نہیں بلکہ ایک کثیر الجہات، غیر مرکزیت پذیر اور سماجی و ثقافتی تشکیل یافتہ مظہر ہے، جو ہر تعبیر کے ساتھ نئے معانی کی تشکیل کرتا ہے۔"(6)

ڈاکٹر ناصر عباس نیر نے اردو افسانے کی تنقید کو بیسویں صدی کی تاثراتی تنقید ، اکہری موضوعاتی تلخیص اور سوانحی خلاصہ نگاری کے پرانی ساخت سے نجات دلا کر جدید ترین عالمی پیراڈائم پر استوار کر دیا ہے ۔ ماضی میں اردو فکشن تنقید کا سب سے بڑا المیہ یہ رہا کہ کہانی کو یا تو سیاسی و سماجی دستاویز سمجھ کر پڑھا جاتا تھا یا پھر افسانہ نگار کی نجی زندگی سے جوڑنے پر اکتفا کیا جاتا تھا، جس کی وجہ سے اردو فکشن حقیقی تفہیم و تعبیر سے محروم رہا۔ ڈاکٹر ناصر عباس نیر نے اپنی نظریاتی و اطلاقی کاوشوں کے ذریعے یہ ثابت کیا کہ افسانوی متن محض بیرونی واقعات کی نقل نہیں ہے، بلکہ وہ ایک پیچیدہ ڈسکورس ہے جہاں زبان، طاقت، آئیڈیالوجی اور تہذیب وثقافت کے باہم مل کر معانی کے نئے در وا کرتے ہیں۔

حوالہ جات

ناصر عباس نیر، ڈاکٹر، افسانوی تنقید میں نئے پیراڈایم کی جستجو: آئیڈیالوجی اور تہیم (کراچی: انجمن ترقی اردو پاکستان، ۲۰۱۲ء)، ص ۷۸-۷۷

ایضاً، ص ۸۴

ایضاً، ص ۸۸-۸۷

ارشد محمود ہادیؔ، عصری تنقیدی رجحانات اردو میں مابعد جدید تھیوری کی معنیاتی تعبیرات کا مطالعہ (مظفر آباد: ایم فل مقالہ اردو، آزاد جموں و کشمیر یونیورسٹی، ۲۰۲۱ء)، ص ۵۳، ۲۷۳

ناصر عباس نیر، ڈاکٹر، افسانوی تنقید میں نئے پیراڈایم کی جستجو: آئیڈیالوجی اور تہیم، ص ۶۲-۶۱

ارشد محمود ہادیؔ، عصری تنقیدی رجحانات اردو میں مابعد جدید تھیوری کی معنیاتی تعبیرات کا مطالعہ ، ص ۲۷۳